© rasailojaraid.com

وضوء اور شرمگاہ ہی ہیں، اور یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ شیطان انہی جگہوں سے زیادہ کھیلتا ہے، جب پانی سے یہ جگہیں دھولیے جائیں تو اس خبیث کیفیت کی تاثیر ختم ہوجائے گی، اور مریض شفایاب ہوگا۔ اور دھونے کا مقصد اس خبیث کیفیت کی آگ کو بجھانا اور اس کے حسد کو دور کرنا ہے۔ نیز اس کی حکمت یہ ہے کہ پانی کی ٹھنڈک جسم کے باریک اور حساس جگہوں کے ذریعے دل تک پہنچے اور اس آگ کو بجھادے جو اس کے دل میں پسندیدہ چیز دیکھنے سے بڑھکی تھی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی مچھر یا زہریلا کیڑا مکوڑا انسان کو کاٹے پھر اس پر قابو پاکر مارڈالے تو اس کی تکلیف میں کمی محسوس ہوگی، اور اگر ڈسنے کے بعد وہ چھوٹ جائے تو یہ تکلیف آپ زیادہ محسوس کریں گے، کیونکہ وہ کاٹنے کے بعد اس کا مزہ چکھتا رہتا ہے، اس لیے اس کی تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ جب اس کو ماردیا جائے تو اس کی تکلیف بھی کم ہوگی۔

مزید فرماتے ہیں: نظربد کا یہ علاج اطباء کی پہنچ سے دور ہے اور یہ طریقہ علاج اس آدمی کو ہرگز فائدہ نہیں دے گا جو اس کا انکار کرے یا اس میں شک کرے یا اس کے ساتھ مذاق کرے یا تجربہ کے لیے کرے۔ فائدہ مند صرف اس شخص کو ہوگا جو دل میں مکمل یقین رکھے کہ یہ الصادق المصدوق ﷺ کا دکھایا ہوا علاج ہے، اس میں شفا یقینی ہے۔ [زاد المعاد ۲/ ۱۵۷]

نظربد کے متعلق چند توجہ طلب باتیں:

۱۔ نظربد تقدیر پر سبقت نہیں لے جاسکتی اور نظربد کا لگنا تقدیر میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

۲۔ نبی ﷺ نے عامرؓ کو یہ کہہ کر ڈانٹا ''ھلا برکت'' تم نے ''بارک اللہ'' کیوں نہ کہا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر برکت کی دعا کرے تو نظربد لگتی نہیں۔ لہٰذا کسی کو بھی اگر کوئی چیز پسند آئے تو ماشاء اللہ یا بارک اللہ ضرور کہنا چاہیے۔

۳۔ عائن کو وضوء کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ نبی ﷺ کا حکم ''فاغسلوا'' وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔ کوئی خوبصورت چیز دیکھ کر پسند آنا اور اس پر حسد آنا انسانی طبیعت ہے۔ اور یہ چیز انسانی طاقت سے باہر ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو نظر لگانے پر نہیں ڈانٹا، بلکہ برکت کی دعا نہ کرنے پر اس کو ڈانٹ پلائی۔

۵۔ کبھی کسی نیک آدمی کی نظربد بھی لگ جاتی ہے، لہٰذا نظربد کا لگ جانا آدمی کے نیک اور بد ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

۶۔ کبھی نظربد حسد کے بغیر صرف پسندیدگی سے لگتی ہے، جیسے کہ عموماً والدین کی نظر اولاد کو لگتی ہے۔

نظربد کے متعلق مزید معلومات کے لیے دیکھیے: [التمهيد لابن عبد البر ٦/ ٢٤٣-٢٤٥، فتح الباری کتاب الطب باب العين حق، زاد المعاد ٤/١٤٩- ١٦١، بدائع الفوائد لابن القيم ٢/ ٧٤٨- ٧٥٦]

☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوانح علمائے اہلحدیث

عبدالرحیم روزی

رئیس التحریر الشیخ عبدالرشید صدیقی رحمہ اللہ علیہ 1949ء — 2010ء

مولانا عبدالرشید صدیقی نہ صرف جمعیت اہلحدیث بلتستان کی بلکہ پورے گلگت بلتستان کی عظیم المرتبت شخصیت، جوہر شناس، ژرف نگاہ، بلند پایہ مفکر، صائب الرائے اور پختہ قلمکار تھے۔

آپ کی حیات مبارکہ طلب علم کے تسلسل، مصائب وآلام سے مردانہ وار مقابلے، ہر کسی کے ساتھ ہمدردی، اچھے خیالات اور خدمات سے تعبیر تھی۔ عالم اسلام اور سسکتی انسانیت کے لیے بے پناہ درد رکھتے، فسطائیت اور بربریت پر کڑھتے تھے۔ مثالی طرز حکومت کے لیے اپنی سوچ وخیالات کو صفحہ قرطاس پر ثبت کرتے، سیاسی وعلاقائی انتظامی ناہمواریوں پر متوازن اور نپا تلا تبصرہ، نشاندہی اور گرفت کرتے۔ بلاشبہ آپ عظیم المرتبت ہستی تھے۔ بالخصوص مجلة التراث کو خون جگر سے سینچا اور ہمیشہ اس کی ترقی و بہتری کی فکر میں رہے۔ یہ مشفق وہمدرد ہستی آج ہم سے بچھڑ گئی ہے۔

سطور ذیل میں خدمات وآثار اور احوال کو اجاگر کرنے کی ایک شاگرد کی ادنیٰ سی کوشش ہے۔ قارئین محترم سے گزارش ہے کہ وہ اس محسن کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں!

پیدائش وسلسلہ نسب اور نشوونما:

1973ء تک کی خودنوشت کے مطابق آپ 1949ء میں پیدا ہوئے۔ آخری ایام میں موصولہ شجرہ نسب کے مطابق سلسلہ نسب یہ ہے: عبدالرشید بن عبدالکریم بن عبدالرحیم بن علی بن عبدالرحمٰن کھرمنگی طورتکی چھوربٹی۔ عبدالرحمٰن مذکور کے دوسرے بیٹے عبدو کا بیٹا معروف شاعر بلبل بلتستان مولانا قربان علی ہیں۔ جن کا پڑپوتا محترم محمد بشیر صاحب ریڈیو پاکستان سکردو اور پوتا اسسٹنٹ کمشنر جناب عبدالعزیز صاحب ہیں۔ برادری ورشتہ دار طورتک (مقبوضہ کشمیر) میں ہیں۔ طورتک میں مولانا روزی اور محمد پسران مولانا قربان علی کے ذریعے مسلک اہلحدیث کی بنیاد پڑی۔

آپ کا خاندان ''کھرمنکپہ'' سے معروف ہے۔ جس کا معنی ہے ''بکثرت قلعہ ومحلات والے'' وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس خاندان کے محلے کے قریب پہاڑی پر بدھ دور کے قلعے ومحلات موجود ہیں۔ یہ خاندان خواندگی میں معروف تھا اور عام لوگوں کا کہنا تھا کہ تعلیم حاصل کرنا ہماری ذمہ داری نہیں، کھرمنکپوں کی ہے۔ ہمارا فریضہ تو کام کاج کرنا ہے۔

مولانا کا ایک ہی بھائی عبدالرحیم تھا۔ اور ایک بہن مریم ہے جو طورتک میں بقید حیات ہیں۔ دونوں آپ سے بڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور صاحب اولاد ہیں۔

نشو ونما اور تعلیم وتربیت کا آغاز:

صدیقی صاحب کا خاندان خوشحال تھا،لہٰذا آپ کی جسمانی پرورش بہتر انداز میں ہوئی۔جبکہ روحانی نشو ونما بھی آپ کی علمی ماحول میں ہوئی۔مولانا اپنی خودنوشت میں فرماتے ہیں''میں نے نوعمری ہی میں درجہ اول میں پرائمری پاس کیا۔اس کے ساتھ ساتھ والدہ محترمہ نے اپنے تایا مولانا محمد بن مولانا قربان علی کے پاس گھر''مدرسہ قربانیہ'' بھیجا۔وہاں سے میں نے ناظرہ قرآن مجید،ابتدائی رسالے،پندنامہ،گلستان،بوستان،دستور المتقی اور فقہ محمدی پڑھا۔لوگ مجھے مولوی صاحب کہ کر پکارتے تو میں سوچنے لگتا کیا میں واقعی مولوی ہو گیا ہوں؟اس شعور واحساس نے مجھے خود بخود ذمہ دار بنا ہی لیا۔اور میں نے کھلنڈروں اور آوارہ لڑکوں سے میل جول توڑ لیا۔آپ کے خاندان کا یہ بزرگ استاد محمد مولانا عبدالصمد بلغاری کے جبکہ ان کے بھائی روزی مشائخ دہلی کے فیض یافتہ تھے۔

شوقِ علم میں گھربار چھوڑنے کا آغاز:

جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے کوئی اہم کام لینا ہو ان کی عجیب نگرانی کرتے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں''تایا صاحب مجھے حصول علم کے لیے سفر پر اکساتے ہوئے شیخ سعدی کا یہ شعر بار بار سناتے تھے۔''

طلب کروند علم بر تو فرض　　　　دیگر واجب است پیش قطع ارض

1962ء کے اواخر میں والد صاحب مجھے اور میرے پھوپھی زاد بھائی کو دارالعلوم غواڑی لے آئے۔جب ہم عازم سفر ہوئے تو نانا جان کی خوشی دیدنی تھی،اسی خوشی میں انہوں نے میرے ساتھ دارالعلوم کے لیے ایک گائے بھیج دی۔میرے فارغ التحصیل ہونے تک دارالعلوم میں اس کے دودھ ومکھن سے مہمانوں کی خاطر تواضع کی جاتی تھی۔''مولانا ثناء اللہ عمر خان صاحب کے مطابق یہ''خوش گاؤ''خزانچی دارالعلوم تایا حاجی قاسم کے پاس موجود تھی۔

مولانا صدیقی آگے فرماتے ہیں''جب والد صاحب دارالعلوم میں داخل کرا کے جانے لگے تو مجھے آنسو آئے۔ناظم دارالعلوم حاجی خلیل الرحمٰن نے میری بے چینی واضطرابی کیفیت کو بھانپ کر فرمایا''اے عبدالرشید!ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ تم کسی کے روکنے سے بھی نہیں رکو گے۔''

مولانا صدیقی فرماتے ہیں''واقعی ایسا زمانہ بھی آیا کہ گھربار کے نامساعد حالات کے پیش نظر والد سمیت تمام رشتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دار میری پڑھائی کی راہ میں مزاحم ہوئے، مگر میں نے پروانہ کی اور پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھا۔'' آگے فرماتے ہیں کہ ''دارالعلوم میں چھٹی کلاس تک مشکوٰۃ شریف، سنن نسائی، شرح وقایہ، نورالانوار، کافیہ، شرح جامی اور سراجی پڑھا۔ والدہ ماجدہ کا سایہ عاطفت 1965ء کے اوائل میں اٹھ گیا۔ اس سے ایک بار پھر گھر کا نظام بحر بیکراں میں ڈولنے والی کشتی کی طرح ہوگیا اور میں پڑھائی ترک کر کے گھر چلا گیا۔''

رشتہ ازدواج کے بندھن میں:

آپ فرماتے ہیں کہ ''گھریلو مجبوریوں اور خویش واقرباء کے انتھک اصرار نے رشتہ ازدواج کے بندھن میں باندھ لیا جس سے گھریلو ذمہ داریاں بڑھ گئیں اور پڑھائی برائے نام رہ گئی۔''

''شادی نیز پڑھائی میں وقفہ ہونے کی وجہ سے دل اچاٹ ہوگیا اور سکردو جاکر فوج میں بھرتی کے لیے پیش ہوا اور موزون بھی قرار دیا گیا، لیکن رشتہ داروں نے میری آرزوؤں پر پانی پھیر دیا لعن وطعن اور پند ونصائح کے غیر معمولی انبار نے پڑھائی کی طرف لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ غواڑی میں پڑھائی کے دوران خوبصورت بچے کی نوید ملی۔''

تحصیل علم کے لیے کراچی کا سفر: دل ودماغ میں دوران کیا واردات ہوئے موصوف کی زبانی سنیئے: ''دارالعلوم میں چھٹی کلاس میں پڑھ رہا تھا۔ میری پڑھائی ایک بار پھر متزلزل ہوتی دیکھ کر والد صاحب نے بطور تعزیر گھر کی چار دیواری تک محدود کرنے کی ٹھانی، جبکہ میں نے دل میں ٹھانا کہ کسی طرح پاکستان پہنچ جاؤں۔ ایک طرف چاند جیسا پانچ ماہ کا بچہ، دوسری طرف پاکستان جانے کا مچلتا ہوا شوق ...... اس کشمکش میں ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' کی مثال بن گیا۔

حفاظت جس سفینے کی انہیں منظور ہوتی ہے ... کنارے تک اسے خود لا کے طوفان چھوڑ جاتے ہیں

مولانا صدیقی مزید گویا ہیں ''بہرکیف میں نے والد صاحب کو غواڑی میں بقایا سال پورا کرنے کا پکا وعدہ کر کے واپس کر دیا۔ اور خود 1968ء میں دشوار گزار راستوں پر سفر کرتے ہوئے پاکستان کے لیے عازم سفر ہوا۔''

آپ کے دیرینہ ساتھی الشیخ محمد حسین آزاد فرماتے ہیں: یہاں آپ کے اساتذہ کرام میں مفتی عبدالقادر ابراہیم یوگوی، مولانا عبدالرحیم سلطان علی گینتھاوی، مولانا یونس گینتھاوی اور مولانا حسن اثری قابل ذکر ہیں۔

صدیقی فرماتے ہیں ''سیدھا دارالحدیث رحمانیہ کراچی پہنچا۔ یہاں نیر والد گرامی کا مکتوب آیا جسے ''وارنٹ گرفتاری'' کہنا ہی مناسب ہوگا۔ اس کے جواب میں معذرت نامہ بھیج دیا تو انہوں نے نہ صرف معاف کیا بلکہ یہ کہہ کر مطمئن بھی کر دیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''میں حصولِ علمِ دین کے سلسلے میں حائل نہیں ہونا چاہتا۔ البتہ سوائے تعلیم وتعلم کے نوکری وغیرہ کے چکر میں پڑ گیا تو میں سخت سے سخت اقدام کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔''

دارالحدیث میں آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الحدیث مولانا حاکم علی، مولانا عبدالعزیز مسکین، مولانا اسحاق خائف، مولانا کرم الدین سلفی، مولانا عبدالرشید ندوی اور مولانا عبدالملک دیوبندی تھے۔

آپ یہاں دارالحدیث میں زیرِ تعلیم تھے کہ سقوط ڈھاکہ، طورتک وچلونکھا وغیرہ کا دلفگار واقعہ پیش آیا۔ آپ فرماتے ہیں ''رحمانیہ میں میرا آخری سال باقی تھا۔ روشنیوں کا شہر کراچی ایک طرف سیاسی کشمکش کا مرکز بنا ہوا تھا، دوسری طرف پاک بھارت سرحدوں پر 71ء کی نامبارک جنگ چھڑی ہوئی تھی............ پڑھائی برائے نام رہی۔ مدرسے میں بھی ہروقت سیاسی حالات اور مشرقی پاکستان موضوع بحث بنا رہتا تھا۔ دورانِ جنگ رونما ہونے والے ناگفتہ بہ حالات نے سکون غارت کر دیا۔ کراچی میں دن رات آگ کے گولے برس رہے تھے۔ آخر بدقسمت قوم نے سقوطِ مشرقی پاکستان کی خبر بھی سن لی۔''

آپ پر اس اندوہناک واقعے کا کیا اثر پڑا! فرماتے ہیں کہ ''میں اس بدقسمت قوم کا بدقسمت ترین شخص تھا جو اس خبر کے ساتھ ساتھ اپنے آباءواجداد کے مسکن سے بھی ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو بیٹھا۔ بلتستان کی آخری سرحد پر لہلہاتا ہوا یہ گاؤں بھی اپنے سینکڑوں بدنصیب مکینوں سمیت ہندوؤں کے جارحانہ پنجے میں چلا گیا۔ آن واحد میں اپنے آپ کو وطن سے دور بے یار ومددگار پا کر اور رونگٹے کھڑے کرنے والے خبروں نے اعضاء مفلوج کر دیے اور زبان گنگ ہوگئی۔ بقول اکبرالہ آبادی ؎

غم ویاس وحسرت وبے کسی کی ہوا کچھ ایسی ہی چل رہی ... نہ دلوں میں اب وہ امنگ ہے نہ طبیعتوں میں ابھار ہے

ہوئے تجھ پر جوستم فلک کہوں کس نے اس کو کہاں تک ... نہ مصیبتوں کی حد ہے نہ میرے غموں کا شمار ہے

''مشکلیں اتنی پڑیں کہ آسان ہوگئیں۔'' انسان بھی عجیب ہے کہ یہ سب ہونے کے باوجود بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ میری زندگی میں یہ بہت بڑا حادثہ تھا۔ خاندان کے خاندان بے گھر ہوئے، بچے وہاں رہ گیئے تو باپ یہاں، بیوی سرحد پار اور میاں یہاں۔ بے یار ومددگار بچے، بوڑھے اور عورتیں ہندوؤں، بودھوں اور سکھوں کے درمیان کس حالت میں ہوں گی۔''

اس کا مداوا کرنے کوشش میں 2007ء میں بہن مریم کو حج پر بلایا اور 36 سال سے بچھڑے بہن بھائی کی ملاقات ہوئی۔

دارالحدیث میں موصوف کا پانچواں اور آخری سال تھا کہ انتظامیہ نے یہاں 14 سال سے تربیت وتعلیم میں منہمک مولانا عبدالرشید ندویؒ کے ساتھ معاندانہ اور ''كافأ مكافأة التمساح'' کا سلوک کیا۔ تو مولانا ندوی نے بلتستانی، نیپالی، بنگالی اور سرحدی غرض دوتہائی طلباء کے ساتھ 1973ء میں دارالحدیث کو خیرباد کہہ دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد مولانا داؤد راغب خان کے مدرسہ دارالسلام داؤدیہ کی آخری کلاس میں داخلہ لیا۔ ان سے صحاح ستہ پڑھی اور سند اجازت حاصل کی۔ یہ داؤد صاحب علامہ حافظ احمد اللہ شیخ الحدیث دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے تلمیذ رشید ہیں۔

نومبر 1973ء میں کراچی بورڈ سے فاضل عربی کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔

پھر جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے آخری کلاس میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ کے اساتذہ کرام میں مدینہ یونیورسٹی کے اساتذہ شیخ علی مشرف عمری اور شیخ امان علی جامی کے علاوہ مولانا صادق سیالکوٹی وغیرہ تھے۔ یہاں سے 1974ء بمطابق رمضان 1394ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

شیخ امان جامی کی خصوصی سفارش بحوالہ ہجرت وترک وطن پر 1974ء میں مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ ملا اور کلیۃ الشریعۃ والقضاء سے 1398ھ/1978ء میں بدرجہ جید فارغ ہوئے۔ آپ کے اساتذہ کرام الشیخ عبدالمحسن عباد، معروف ادیب الشیخ عبدالرؤف اللبدی، الشیخ امان علی جامی، شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد، شیخ یوسف ازہری، شیخ ابوبکر جزائری، شیخ عبدالغفار حسن خان اور الشیخ محمود وائلی وغیرہ تھے۔ دوران طالب علمی والد بزگوار کو حج پر بلایا، وہاں دونوں کی ملاقات ہوئی اور والد صاحب بمطابق قانون طور تک واپس چلے گئے۔ بعد میں پھر بلتستان بلایا گیا اور غواڑی میں بحالت نیند وفات پا گئے۔

مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد آپ نے اہلیہ کو بلا لیا۔ ان کے سعودی عرب پہنچنے کی کہانی بھی ایک داستان غم ہے۔ موصوفہ فرماتی ہیں: گھر سے نکلنے کے بعد سرینگر حاجی کیمپ سے روانگی تک تین ماہ کا غیر معمولی عرصہ گزرا۔ کبھی ہفتوں پیدل، کبھی ٹرین پہ سوار...... ناچیز آشفتہ روزگار کی رفیق حیات سے ملاقات پورے سات سال کے بعد میدان عرفات میں ہوئی جس طرح جنت سے نکالے گئے آدم وحوا کی مشاعر حج میں ملاقات ہوئی تھی۔

مرکزی دارالعلوم بلتستان میں تشریف آوری، دعوت وتبلیغ اور گوناگوں خدمات:

سال 1978ء میں آپ کو وزارة الشؤون والأوقاف والدعوة والإرشاد سعودیہ عربیہ نے مبلغ ایک ہزار مشاہرے پر مرکزی دارالعلوم بلتستان بھیجا۔ چنانچہ آپ 1974ء سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وآگہی اور فلاحی کاموں میں مصروف ہستیوں مولانا عبدالرحمن خلیق ومولانا عبدالوہاب حنیف کے دوش بدوش "ثالثة الأثافی" (دیگچی کے تیسرے پائے) کی حیثیت سے کام کرنے لگے، اور جمعیت اہلحدیث بلتستان ومرکزی دارالعلوم کی "نشاۃ ثانیہ" کے بانیوں میں شمار ہونے کا شرف واعزاز حاصل کرلیا۔ اس کے بعد اس مختصر سے کاروان میں اور بھی لوگ شامل ہوتے گئے۔ جب آپ بلتستان پہنچے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو درج ذیل ذمہ داریاں آپ کے انتظار میں تھیں:

۱۔ **تعلیم وتدریس:**

اس حوالے سے آپ ایک کامیاب و کامران مربی و مدرس تھا۔ بھاری بھرکم، قوی الجثہ، خاموش طبع تھے۔ رعب و وقار کو مہمیز کرنے میں قراقلی ٹوپی، سیاہ گاؤن، اجنبیت اور عینک پیش پیش تھے۔ رعب و دبدبہ اور ہیبت کے سارے تصورات کلاس میں تشریف لانے کے بعد حرف غلط کی طرح مٹ جاتے۔ آپ مشفق و مہربان، نرم خو، ملنسار و خوش گفتار اور طلباء کو اپنائیت دینے کے گر سے خوب واقف تھے۔ آپ راقم کے ان آئیڈیل اساتذہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے گہرے نقوش چھوڑے۔

ہفتہ عشرہ میں تحریری ٹیسٹ لیتے اور ایک روپیہ سے چار آنے تک کا انعام دیتے۔ جس سے ٹیسٹ کا شدت سے انتظار ہوتا اور خوب تیاری ہوتی۔ مشقیں حل کراتے اور طلباء کو جملے بنانے پڑتے۔

تدریس آپ کو بہت پسند تھا۔ کثرت مشاغل، بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے بعد میں صرف ادیان وفرق کا مضمون پڑھاتے تھے، جس میں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ ہندوؤں، بودھوں کی تہذیب پر کافی دسترس حاصل تھا۔

۲۔ **رئیس مجلس عمل جمعیت اہلحدیث بلتستان**

۳۔ **ممبر مجلس شوریٰ جمعیت اہلحدیث بلتستان** 1978ء تا 1989ء۔ اور ستمبر 2002ء تا وفات 6 فروری 2010ء۔

۴۔ **ممبر مجلس شوریٰ و عاملہ مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان** (تا حیات)۔

۵۔ **مدیر تعلیم**: 1989 تا 2002۔

۶۔ **سفیر جامعہ دار العلوم بلتستان برائے کویت۔**

۷۔ **نائب رئیس تعمیراتی کمیٹی زیر انتظام جمعیت اہلحدیث بلتستان۔**

۸۔ **چیف ایڈیٹر مجلۃ التراث**: روز اول 1998ء تا دم حیات۔

مولانا کو مجلّہ ہذا کے ساتھ پیشہ ورانہ شغف اور دلچسپی تھی۔ قلم و کاغذ اور تحریر و تنسیق کے ساتھ دلچسپی نے مجلس شوریٰ سے 1998ء میں جماعت کے ترجمان مجلّے کے اجراء کی منظوری حاصل کی اور آپ چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ پہلے شمارے کے ادارتی صفحات میں علامہ اقبال کے ''طلوع اسلام'' کے یہ اشعار جماعت کی اس بیداری کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بطور استشہاد پیش کیے۔

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دور گراں خوابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی   مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفانِ مغرب نے

پھر بلتستان میں اشاعت اسلام کا دلآویز تذکرہ کیا ہے۔ جامعہ دارالعلوم کے ارتقاء وعروج کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ۔

ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے   ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں

مجلس ادارت کے رگ وپے میں خون کی لہر دوڑانے کے لیے لکھتے ہیں: ''جماعت کی مجلس شوریٰ نے علمی تحقیق پر مبنی متوازن لٹریچر کی کمی محسوس کرتے ہوئے اور نشریاتی ذرائع کی اہمیت کے پیش نظر فی الحال ایک ششماہی مجلّے کے اجراء کا فیصلہ کیا ہے جس کے ادارتی صفحات لکھنے کی ذمہ داری مجھ جیسے ہیچمدان پر لگائی ہے جو اپنی کم علمی، بے مائیگی و ناتجربہ کاری کے سبب اس قابل نہ تھا ''من آنم کہ من دانم''۔ بہرحال علَم کو رِسک پر قبول کیا ہے۔ ویسے بھی علمی وادبی ذوق رکھنے والے معاونین کی ایک اچھی ٹیم پرچے سے منسلک ہے۔ انشاءاللہ خیر ہی ہوگا۔

اس کے بعد تادم حیات کثرت مشاغل اور مجموعہ امراض کے باوجود اس پرچے کے ساتھ رشتہ برقرار رکھا۔ آپ ہر مناسبت پر ''لکل مقام مقال'' کے تحت، جچا تلا اور جامع اداریہ لکھتے۔ وطن عزیز کے سیاسی حالات اور گلگت بلتستان کے معروضی احوال وظروف پر گہری نظر وگرفت ہوتی۔ اخبارات خوب پڑھتے اور اہم موضوعات کی فوٹو کاپی کر کے ریکارڈ بناتے۔

حیاتِ نو پائی تھی:

نوے کی دہائی میں گردے فیل ہو کر بارہا ڈائسلیس کراتے رہے۔ 1995ء میں ایک نیا گردہ ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد مسلسل دوائی کھانے اور پرہیز کا عمل شروع ہوا اور صحت مند ہو گیئے۔

وہ شمع بجھانا کیا جس کی حفاظت ہوا کرے   فانوس بن کے جس کی حفاظت خدا کرے

آپریشن تھیٹر لے جاتے وقت گہری نیند طاری تھی۔ فرمانے لگے کہ اس لرزہ خیز موقع پر میرے اطمینان وسکون کے پیچھے اللہ تعالیٰ پر یقین اور توحید میں مضبوطی تھی۔ شنید ہے کہ ایسے آپریشن کے بعد اتنی لمبی زندگی کم ہی لوگوں کو ملتی ہے۔

آخری منزل کی طرف سفر:

آپ کچھ سالوں سے اپنی تقریروں، خطبوں اور دروس میں فکر آخرت اور اپنے پیشرؤں کا تذکرہ زیادہ کرنے لگے تھے۔ 30 دسمبر 2009 میں دیگر رفقائے سفر کے ساتھ کچھ جماعتی امور نمٹانے کے لیے بائی روڈ راولپنڈی تشریف لے گیئے تھے۔

فرمانِ نبوی ہے: ''إذا أراد الله قبض عبد بأرض جعل له إليها حاجة'' [المعجم الكبير ، سنن الترمذی]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی موت کسی سرزمین پر مقدر کرتا ہے تو وہاں جانے کے لیے کوئی کام نکالتا ہے۔''

مولانا صدیقی 28 جنوری کو لو بلڈ پریشر کی وجہ سے سنٹر ہسپتال راولپنڈی میں کئی روز ایمرجنسی وارڈ میں پھر عام وارڈ میں رہے۔ داماد طارق عبدالرحیم خدمت پر کمربستہ رہا۔ اس دوران ہسپتال کے فائل پر آپ نے گلستان سعدی کا یہ شعر لکھ دیا تھا

خیرے کن اے فلان و غنیمت شمار عمر — زاں پیشتر کہ بانگ آید فلان نماید

''اے شخص نیکی کر اور عمر کو غنیمت شمار کر اس سے پہلے کہ لوگ کہیں کہ فلان نہیں رہا''، یعنی فوت ہوا۔

بیماری کی خبر سن کر مدینہ یونیورسٹی سے آپ کا صاحبزادہ سیف اللہ بھی آیا۔ آپ افاقہ پا کر اپنے داماد ڈاکٹر عبدالقادر عبدالواحد کی رہائشگاہ (اسلام آباد) میں منتقل ہو گئے تھے۔ اور مولانا عبدالواحد سے کہا تھا کہ آپ لوگ چلیں، میں چند روز ٹھہر کے بائی ایئر آتا ہوں۔

آپ دونوں بیٹوں، بیٹی اور داماد سے رات 12 بجے تک باتوں میں مصروف رہے۔ پھر آپ کے دائیں بائیں دونوں بیٹے سو گئے۔ 6 فروری 2010ء بمطابق 20 صفر 1431ھ بروز ہفتہ صبح 6 بجے نیند کی حالت میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ ﴿إنا للہ وإنا إلیه راجعون﴾. للہ ما أعطی وله ما أخذ وکل شیء بأجل وإنا بک لمحزونون ولا نقول إلا ما یرضی به ربنا ۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جامعہ دارالعلوم کی نشأت ثانیہ کے تینوں اساطین راولپنڈی، ریاض اور اسلام آباد میں بحالت سفر اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

آپ کو بظاہر کوئی جان لیوا مرض نہ تھا۔ گردہ بھی ٹھیک تھا۔ اچانک وفات کا سبب حرکت قلب بند ہونا بتایا جاتا ہے۔

دراصل ﴿اللہ یتوفی الأنفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسک التی قضی علیها الموت ویرسل الأخریٰ إلی أجل مسمی إن فی ذلک لآیات لقوم یعقلون ۝﴾ [الزمر ۴۲] اور سوتے وقت پڑھی جانے والی اس دعا پر بھی غور کیجیے'' باسمک ربی وضعت جنبی وبک أرفعه إن أمسکت نفسی فارحمها وإن أرسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادک الصالحین''

شاعر اہلحدیث مولانا عبدالرحمٰن مالیر کوٹلوی نے کیا خوب کہا ۔

مریض کھا چکا جو اس کا آب و دانہ تھا — مرض تو فقط برائے موت ایک بہانہ تھا

جامعہ سلفیہ اسلام آباد میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ دوسرے روز 7 فروری کو نعش بائی روڈ سکردو پہنچی، جہاں مرکز اسلامی میں جم غفیر نے نماز جنازہ ادا کی۔ پھر غواڑی میں ''ڈوقسی قبرستان'' نزد ہائی سکول کی جنازہ گاہ میں۔ کافی سردی کے باوجود عدیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

النظیر تعداد میں اردگرد سے بھی ہزاروں عقیدت مند ، احباب ویاران قبل از وقت جوق در جوق اپنے محبوب قائد کا دیدار کرنے اور الوداع کرنے حاضر ہوئے تھے۔زبانوں سے بے ساختہ اظہار عقیدت، ہر دلعزیزی، وارفتگی اور اتنی مقبولیت دیکھ کر یہ فیصلہ کرنے میں کوئی تردد نہ رہا کہ آپ اس درجے اور مقام سے کہیں بلند اور آگے تھے جس کا تصور وخیال ہمارے دلوں میں تھا۔ارشاد نبوی ''أنتم شهداء الله في الأرض '' کے تحت لوگوں کے بے ساختہ تذکرہ خیر سے ترجمان وحی کی یہ خوشخبری یاد آتی تھی کہ ''واجب ہوگئی'' کیونکہ آوازۂ خلق نقارہ خدا ہے۔

رات 8 بجے تدفین کا عمل اختتام کو پہنچا۔اور آپ اپنے استاد شیخ عبدالرشید ندوی، ان کے استاد حافظ کریم بخش، رفیق میدان عمل مولانا عبدالرحمٰن خلیق، استاد محمد حسن اثری اور اپنے والد عبدالکریم کے درمیان مٹی کے بستر پر ابدی نیند سو گیئے ۔

﴿منها خلقنٰكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة أخرىٰ﴾

ازواج واولاد:

آپ نے پسماندگان میں دو بیٹے سیف اللہ وفیض اللہ متم، پانچ بیٹیاں اور ایک بیوہ چھوڑی۔جبکہ آبائی وطن طورتک مقبوضہ کشمیر میں بہن مریم اور کئی بھتیجے چھوڑے۔آپ کی تمام اولاد زیور علم دین سے آراستہ ہے۔

حلیہ واوصاف:

آپ میانہ قد، قوی جثہ، بیضوی چہرے، کلاں ناک، کھلی پیشانی، خضاب شدہ گھنی داڑھی، سانولے رنگ اور چھوٹی آنکھوں کے مالک تھے۔

بادیٔ النظر میں بارعب شخصیت، مگر گھل مل جانے والوں سے خوب مزاح کرتے ۔عموماً ملنے والوں کو ''صاحب'' کہہ کر پکارتے اور ہاتھ ملاتے۔آپ کا یہ تکیہ کلام آپ کے حلقہ اثر میں رسمی خطاب بن چکا تھا۔طبیعت میں ظرافت نمایاں تھی موقع پر خوب ظریفانہ جملے استعمال کرتے۔ جستہ جستہ فارسی ضرب الامثال اور محاوروں کو موقع دیتے، مزاج وقلم ادیبانہ ومقررانہ تھا۔

عمر زیادہ نہ تھی مگر حوادثاتِ زندگانی نے بڑھاپے میں دھکیل دیا تھا۔لباس ہمیشہ نفیس استعمال کرتے۔گھر میں مکمل سلیقہ پسندی سے رہنا جانتے تھے۔اور جاذب نظر ونفیس تختیوں اور معلوماتی لوحات سے کمرہ سجائے رکھتے۔جو ناظرین کو اعلیٰ ذوقی کا منہ بولتا ثبوت فراہم کرتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند نمایاں خصوصیات:

ہمارے مولانا گوناگوں ستودہ صفات کے حامل تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ جماعت اہلحدیث بلتستان کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ مصائب ومشکلات کے وقت صبر وتحمل آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔صبر وتحمل اور حلم وبردباری میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا۔ مشکل اوقات میں لوگ ہڑ بڑائے اور حواس باختہ ہوکر آتے تو آپ کی دل نشین صبر ورضا کی باتیں سن کر اطمنان وسکون لے کے لوٹتے۔ آپ ''ليس الشديد بالصرعة إنماا لشديد من يملك نفسه عند الغضب ''کے مکمل عکاس تھے۔اگر کہیں تند وتیز بحث وتکرار کی نوبت آتی تو مزاح میں کوئی واقعہ یا مثال پیش کر کے جھگڑا ٹالنے کی کوشش کرتے۔ تیر نشانے پر بیٹھ جاتی اور فریق مخالف کا ناطقہ بند کرتے مگر غم وغصہ دلائے بغیر۔ یہ آداب بحث ومباحثہ اور حکمت عملی کم ہی لوگوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔کسی بھی مسئلے، بحران وغیر یقینی حالات میں اصابت رائے،متوازن حل کی تلاش، توجیہ وتجزیہ اور تحلیل وجائزہ آپ کا خاصہ تھا۔احساسِ مسؤلیت، کام کی اہمیت کا شعور، جہد مسلسل، استمرار نگرانی وخبرگیری اور فرض شناسی جیسے ضروری اوصاف سے بخوبی واقف تھے۔

قناعت واصول پسندی میں بدنام کی حد تک تھے۔اصولوں پر کبھی سودا بازی نہیں کی۔ دروغ گوئی کو دھوکہ اور جرم سمجھتا تھا اسی لیے آپ سے کھوکھلے وعدے، ٹرخائی کی باتیں نہ پا کر لوگ مایوس ہوجاتے۔البتہ بعد میں اعتراف خوبی ضرور کرتے۔

جوہر مردم شناسی، بیدار مغزی اور ژرف نگاری کی کمی نہیں تھی۔فقراء ومساکین، مہمانان کرام کے ساتھ خوش اخلاقی، میزبانی، ہمدردی وجذبہ خیر سگالی سے حظ وافر پایا تھا۔نو وارد مہمانان گرامی کے ساتھ ڈیل کرنا بھی خوب جانتے تھے۔مناسب مقام ومرتبہ دینا، خدمت بجالانا، صحبت اختیار کرنا اور نشست منعقد کرنا آپ کا طرہ امتیاز تھا۔

علاقہ گلگت بلتستان میں اتحاد واتفاق کے فروغ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے۔

آپ کو شعر وشاعری سے بھی شغف تھا۔

تبلیغ دین اسلام کا غیر معمولی جذبہ رکھتے تھے۔تقریر عموماً اردو میں کرتے اور پند ونصائح اور امثال وحکم سے سامعین کو محظوظ کرواتے۔آپ کا خطاب عموماً مختصر ہوتا، مگر جامعیت، معنویت اور افادیت کے حوالے سے پر مغز۔مطالعہ وتجربات کا نچوڑ اور ادب کا خوبصورت مرقع ہوتا۔اسی لیے کسی بھی محفل اور سیمینار کی صدارت کرتے، کم سے کم مہمان خصوصی ضرور ہوتے۔

القصہ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔اور مردم شناس لوگوں پاس آپ ایک گرانمایہ ہستی تھے۔بقول شاعر ؎

کچھ ایسے بھی اس بزم سے اٹھ جائیں گے تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تأثرات وتعزیت ناموں سے اقتباسات

{1} کارکنوں کے مابین اعتماد وتعاون کو ادارے کی کامیابی وکامرانی میں بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ التراث بھی اسی کی پاسداری میں منظر عام پر آنے لگا۔ رفتہ رفتہ کلک تصحیح رفاقت میں رقابت کی چاشنی ملانے لگا، جس سے شکیبائی کا خوگر بننے میں کافی مدد بھی ملی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ استاد محترم اور پیشرو رحمة الله علیه اپنے نقطۂ نوگریز سے بھی شغف رکھنے کی حد تک اپنا امتیازی اسلوب رکھتے تھے۔ طبی حکمت میں بھی حسب منشا معلومات اکٹھی کر کے پیش کرنے کا شوق رکھتے اور جب راشد صدیقی کے پاسپورٹ پر عالم نظم میں براجمان ہوتے تو وہاں کے قوانین بحور کو دقیانوسی قرار دیتے ہوئے آزادگی کا علم لہراتے اور بعض سوانح نگار محقق آپ کو بلتستان کے مایہ ناز شاعروں میں گردانتے تھے۔ ''ترانہ'' میں نصرت ناصریؒ کو نیم قبولیت بخشی، ''داڑھی'' میں توجیہ راقم کو بخوشی قبول کیا تھا، مگر ''تکاثر'' میں بمشکل پذیرائی ملی۔ بعد ازاں رستگاری کے مظاہر پھر پیش آئے۔

اب محسوس ہوتا ہے کہ شاید اسی ''تندیٔ باد'' کے پیچھے بھی ''اونچا اڑانے'' کا مخفی جذبہ ہی کارفرما تھا۔ جبھی تو آپ التراث کی علمی سرپرستی بھی فرمانے لگے تھے۔ جزاہ الله خیراً وتقبل مساعیه الجمیلة وأدخله فسیح جنانه آمین

''**سترہ کے احکام**'' کی تصنیف کے دوران مسئلے کے چند نئے پہلوؤں کی یاد دہانی کر کے ''فقیہانہ نظر'' ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ قارئین 28/22-24 کو پڑھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ تعمیل ہوئی ہے یا کاوش ناکام رہی ہے۔

31/20 پر ایصال ثواب کے حوالے سے امام ابن القیمؒ کی تردید پڑھ کر ارشاد فرمایا: ''**دراصل امام ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ دونوں کی جستجوئے حق کئی مراحل سے گزری ہے اور مختلف افکار ونظریات سے گزرنے کے بعد صراط مستقیم کو پالیا ہے۔ لگتا ہے کہ "کتاب الروح" کسی تجرباتی مرحلے کی تصنیف ہے۔** تردید کے بجائے اس بات کو ثابت کر دکھاؤ۔''

اس حکم کی تعمیل آج تک راقم کے ذمے ہے۔ اہل علم سے التماس ہے کہ اس معاملے میں ''**بھی**'' رہنمائی اور سرپرستی سے نوازیں۔ جزاکم الله أحسن الجزاء

ابو محمد عبد الوهاب خان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

{2} فکرونظراور علم وعرفاں کی جوت جگاتی انجمنیں اورروح پرور محفلیں اس شخص سے محروم ہوئیں جس کے دم قدم سے اجڑی محفلوں اورخزاں رسیدہ مجلسوں میں بھی بہار لوٹ آتی تھی۔آہ! آمد فصل بہار سے پہلے یہ کس خزاں رسیدگی نے ہمیں آلیا ہے۔

اب کی فصل بہار سے پہلے رنگ تھے گلستان میں کیا کیا کچھ
کیا کہوں اب تمہیں خزاں والو! جل گیا آشیاں میں کیا کیا کچھ

مرحوم ندرت فکراور حسن تکلم کا وہ جداگانہ اسلوب رکھتے تھے کہ "وہ کہیں اور سنا کرے کوئی" کا معاملہ تھا۔ان کا تعلق ایسے ہی افراد سے تھا کہ بقول شاعر جن کے لب ولہجہ سے تازگیاں پھوٹتی ہیں وہ کہ......

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں

اب کہاں ایسے لوگ کہ

بات میں سادہ و آزادہ معانی میں رقیق

وہ بولتے تھے تو کانوں میں رس گھولتے ہی تھے مگر خاموش ہوتے تو بھی ان کی بصیرت افروز اور دوربین نگاہیں بہت سے مسئلے سلجھاتیں اور معمے حل کرتیں۔ان کے ساتھ ادب واحترام اور محبت وعقیدت کا اک عجیب رشتہ تھا۔مجھ پرخصوصی شفقت فرماتے تھے۔دوران طالب علمی جب راقم بعض غیر منہجی طلبہ تنظیموں کے دلفریب نعروں سے متاثر ہوا تو بعض مہربانوں نے چارج شیٹ تیار کی۔راقم بدعت کی پستیوں سے اٹھ کر خالص کتاب وسنت کے نور سے منور ہو گیا تھا۔ملنے پر سلام کا جواب دینے کے بعد مسکراتے ہوئے گویا ہوئے:"فردوس میں تمہاری بہت سی شکایات سن رہا ہوں لیکن مجھے امید ہے فردوس پھر سے تاریکیوں کی طرف نہیں پلٹے گا۔" یہ محبت بھرا جملہ میری آئندہ کی زندگی بدلنے کا محرک اور پیش خیمہ ثابت ہوا۔

موصوف "توحید" اور "ادیان" پڑھاتے تھے اور کیا خوب پڑھاتے تھے! علمی پختگی اور فکری نکھار کی جھلک ان کے دروس میں بھی دیکھنے کو ملتی۔ہندو دھرم، بدھ مت اور جدید باطنی فرقوں سے متعلق کمال آگہی رکھتے تھے۔خشک مضامین بھی پڑھاتے تو لطائف علمیہ اور بذلہ سنجی سے مجلس کو کشتِ زعفران بنائے رکھتے۔غرض دوستوں اور طالب علموں کے لیے ان کی شخصیت قوس قزح بھی سے زیادہ جاذب نظر تھی۔رواداری اس قدر تھی کہ انہوں نے تب بھی امن کی بابت لکھا جب پورا ارضِ شمال آگ وخون کی لپیٹ میں تھا۔

اس عظیم شخصیت کی سیرت کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالنا استاد محترم عبدالرحیم روزی ایسے محقق اور سوانح نگار کا کام ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور امید ہے وہ یہ ذمہ داری ضرور نبھائیں گے۔

میں نے لرزیدہ ہاتھوں اور شکستہ قلم سے اپنے تشنہ اظہار جذبات کو لفظوں کی صورت اوراق پر بکھیر دیا ہے۔ مگر نہ اظہار میں اتنا ظرف، نہ الفاظ میں اتنی وسعت کہ موجزن بحر جذبات اس مین سمو سکے۔ ایک عظیم الشان اور گوناگوں اوصاف حمیدہ کی حامل شخصیت کے حضور جانے کیوں آج حروف و الفاظ کی قلت کا احساس شدت سے ہو رہا ہے۔ ویسی ہی کیفیت ہے جس کا اظہار کبھی میرے شاعر دوست زاہد سعید نے کیا تھا:

گنجینہ حروف و معانی تھا میرے پاس   یوں حرف حرف کو میں ترستا نہ تھا کبھی

علم و دانش، فلسفہ و حکمت، شعر و ادب غرض ان کی شش جہت شخصیت گوناگوں اوصاف سے متصف اور مرصع تھی۔ ادبی ذوق کی تسکین کے لیے "بزم پیام ادب" کے نام سے ایک انجمن تشکیل دی تھی۔ ایک کمرہ انہی سرگرمیوں کے لیے مختص تھا۔

فردوس جمال

{3} آپؒ سادگی و سنجیدگی، متانت و وقار، صدق و صفا اور مہمان نوازی میں سلف کا نمونہ تھے۔ عام اساتذہ سے بڑھ کر موصوف دور دراز کے اور نئے اہلحدیثوں سے انتہائی گرم جوشی کے ساتھ تعلق پیدا کرتے۔ ان کے مسائل سمجھنے اور ان کے دکھ سمیٹنے کی عادت تھی۔ سب لوگوں کے ساتھ آپ کا رویہ مشفقانہ تھا اور سب کے درد سے آشنا تھے اور ہمیشہ استقامت اور صبر کی تلقین کر کے عزم و حوصلہ پیدا کرتے۔

آپ کا مطالعہ، ادبی ذوق اور انداز بیان بے مثال تھا۔ مجھے فخر ہے کہ میری زندگی میں بحیثیت استاد آپ کا نام نمایاں ہے۔ میرے پاس اُن کے لیے سوائے دعاؤں کے اور کچھ نہیں۔

آپ کا سب سے بڑا کام "التراث" کا اجراء ہے۔ جس میں آپ نے خوب علمی جوہر بھی دکھایا اور نہایت عرق ریزی سے معیار کو بڑھایا۔

جانے والوں کی کمی پوری ہو نہیں سکتی   آنے والے آئیں گے، لیکن خلا رہ جائے گا

الیاس جہانگیر

{4} مولانا عبدالرشید صدیقی صاحب کا داغ مفارقت دینا ایک المیہ ہے۔ ان کا خلوص و ایثار ہمیشہ یاد رہے گا۔ ان کی یاد ماہ و سال آتی رہے گی۔ سب سوگواروں کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت کرے۔ قبر کی زندگی کو جنت الفردوس سے جوڑ دے (آمین)۔ ہمارا رشتہ "لا إله إلا الله محمد رسول الله" کا ہے۔ اس کلمے کی برکت ہے کہ بغیر

© rasailojaraid.com